رشید اختر ندوی

شوریٰ کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سب سے بڑے نبی تھے۔ اور وحی الٰہی بات بات پر ان کی راہنمائی کرتی تھی لیکن جہاں اور جن مسائل میں وحی الٰہی نے خاموشی اختیار کی، وہاں رسول اللہ نے اپنی ذاتی رائے استعمال کرنے کی بجائے رائے عامہ سے مشورہ لیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ سے زیادہ کسی دوسرے کو رائے عامہ کا احترام کرتے نہیں دیکھا۔ ابو ہریرہ اور قتادہ نے بھی اس مضمون کی روائتیں بیان کی ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے ان روایات اور قرآن کی آیتِ کریمہ وشاورھم فی الامر کو بنیاد قرار دے کر شوریٰ کو اسلامی نظامِ حکومت کی ایک بڑی کڑی قرار دیا ہے۔

اگر امام ابن تیمیہ یہ بات نہ بھی کہتے تو بھی شوریٰ کی اہمیت کم نہ ہوتی۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معمولی معمولی باتوں میں ساتھیوں سے مشورہ لینے کے عادی تھے۔ اور جہاں بڑی باتیں سامنے آتیں وہاں تو اکثر ذاتی رائے استعمال کرنے سے پرہیز کرتے۔ یاد ہوگا کہ جب مدینہ میں خدا کا سب سے پہلا گھر تعمیر ہوا۔ دنیا کی تمام مساجد سے زیادہ عظمت و بزرگی والی مسجد کی بنا رکھی گئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یکجا کرنے کے بعد پوچھا۔ عبادت کے لئے جگہ تو بن گئی لیکن سارے ساتھی عبادت کے وقت کس طرح اکٹھے کئے جا سکیں گے۔

امام بخاری نے وہ مشورے تفصیل سے بیان کئے ہیں جو صحابہ نے اس سلسلہ میں حضورؐ کی خدمت میں پیش کئے۔ گو اذان کی صورت وحیٔ الٰہی نے تجویز کی۔ لیکن اگر وحیٔ الٰہی خاموش رہتی تو حضورؐ اس امر کا فیصلہ رائے عامہ کے ذریعے کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رائے عامہ کا احترام جس طرح کرتے اس کی بہت واضح مثال تاریخ کے سامنے اس وقت آئی جب حضورؐ تین سو تیرہ ساتھیوں کے ساتھ بدر کی لڑائی لڑنے کے لئے مدینہ سے نکلے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تین سو تیرہ کی یہ جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاروں پر آگ میں کود پڑنے پر تیار تھی۔ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو رسول اللہ کی خاطر سارے عالم کے خلاف لڑنے سے گریز کرتا۔ رسول اللہ ان کے امام و مرشد

تھے۔ وہ اگر ان سے استصواب بھی کرتے تو ایک صحابی بھی اُن سے یہ کہنے کی جرأت نہ کرتا کہ حضورؐ آپ نے ہمیں دنیا بھر سے لڑانے سے پہلے رائے کیوں نہ لی تھی۔ صحابہ کے دلوں سے واقف ہونے کے باوجود رسول اللہؐ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر ساتھیوں کو رُکنے کا حکم دیا۔ اور سب سے پہلی بات جو ان سے کہی وہ یہی تھی:

"اے لوگو! مجھے مشورہ دو ہمارا طریق کار کیا ہوگا"

جن لوگوں نے مشورہ دینے میں پہل کی ان میں ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور علیؓ و عثمانؓ جیسے بڑے صحابی تھے۔ پہلے دو بزرگوں نے تو بڑی جوشیلی تقریریں کیں۔ مگر یہ تقریروں کا موقع نہ تھا۔ یہ استصواب رائے عامہ تھا۔ یہ شوریٰ عام تھا۔ پوری قوم، پوری ملتِ اسلامیہ اس میں مخاطب تھی۔ گو اس کے افراد کی تعداد اس وقت بچّوں اور عورتوں کو شمار کر لینے کے باوجود ایک ہزار سے کسی طرح زائد نہ تھی۔ کفر اپنے پورے ہتھیاروں کے ساتھ اس مختصر سی جماعت کو ختم کرنے کے لئے آندھی کی طرح بڑھا چلا آرہا تھا۔ اگر محض مہاجرین کا مسئلہ ہوتا تو رسول اللہؐ شائد استصواب نہ کرتے۔ رسول اللہؐ نے مکّہ کو چھوڑ کر مدینہ میں پناہ لی تھی۔ ایک دوسرے شہر کو اپنایا تھا۔ اور اس شہر کے رہنے والے انصار میں سے گو اکثر حضورؐ کے ساتھ تھے۔ لیکن ان سے مشورہ کئے بغیر حضورؐ انہیں دشمن سے لڑانا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ حضورؐ کا یہ ارشاد اسی لئے تھا۔ اور جب ایک ساتھی نے پوری ہم آہنگی کے ساتھ کہا:

"خدا کا نام لے کر جدھر چاہیئے ہمیں لے جائیے۔ آپ ہمارے مقتدیٰ اور راہ نما ہیں"

تو حضورؐ نے آگے قدم بڑھائے۔ اسی لڑائی میں جب خدا نے مسلمانوں کو فتح دی اور بڑے رئیسانِ قریش رسیوں میں جکڑے ہوئے حضورؐ کے پاس لائے گئے تو حضورؐ نے پھر رائے عامہ سے استصواب کیا کہ یہ قیدی محض رسول اللہؐ کے قیدی نہ تھے۔ یہ قیدی تین سو تیرہ کی جماعت کے قیدی تھے۔ پوری ملتِ اسلامیہ ان کی مالک تھی۔ ملّت کے ان دو بڑوں نے پھر رائے دینے میں سبقت کی۔ عمر فاروقؓ کی رائے تھی۔ مہاجرین اپنے اپنے عزیزوں کی گردنیں آپ ماردیں اور اس طرح ایک اور عجوبہ دنیا کے سامنے رکھیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے سامنے ایسی کوئی مثال نہ رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے صحابہ سے جب استصواب کیا تو صحابہ کی عام رائے فاروقؓ کی رائے کے خلاف تھی۔ رسول اللہؐ نے عام رائے کی پیروی کی اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

بدر کے بعد دوسری لڑائی احد کی لڑائی تھی۔ گو اس وقت مسلمانوں کی تعداد پہلے سے زیادہ تھی۔ گو اس وقت مسلمان پہلے سے زیادہ قوّت پکڑ گئے تھے۔ مگر حضورؐ کا منشا یہ تھا کہ حضورؐ مدینہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ ابی بن کعب کی رائے بھی یہی تھی۔ لیکن جب مجلسِ شوریٰ بیٹھی تو کثرتِ رائے کا فیصلہ یہی تھا کہ مدینہ سے نکل کر دشمن کی راہ روکی جائے۔

بہرحال خواہ اس فیصلہ کے نتائج کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ فیصلہ رائے عامہ کا فیصلہ تھا پھر جب دس ہزار دشمن مدینہ پر چڑھ آئے تو ایک بار پھر حضورؐ نے صحابہ سے استصواب کیا۔ سلمان فارسی کی رائے گو ایک فرد کی رائے تھی۔ مگر سارے

مسلمانوں نے اس رائے کو پسند کیا اور اجتماع امت کے فیصلہ کے مطابق خندق کھودنے کا کام شروع ہوا۔

ہوازن اور بنی غطفان کے اسیرانِ جنگ کو چھوڑنے کا مسئلہ جب پیش آیا تو حضورؐ نے سارا معاملہ رائے عامہ پر ڈال دیا۔ اور جب تک رائے عامہ نے قیدیوں کو چھوڑنے کا فیصلہ نہ کیا اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے محفوظ رکھی۔

حضورؐ نے استصواب کا دائرہ محض صحابہ تک محدود نہ رکھا۔ ایسا بھی ہوتا کہ رعایا کے عام افراد بھی اس مشورہ میں شریک کر لئے جاتے۔ خاص طور پر ایسے مسائل جو رعایا کے کسی ایک گروہ سے متعلق ہوتے۔ ان میں تو حضورؐ لازمی طور پر اس گروہ کی رائے کا خیال رکھتے۔ بحرین کے والی حضرت علاحضرمی کے خلاف جب وہاں کے غالب اکثریت رکھنے والے قبیلے عبدالقیس نے شکایت کی تو حضورؐ نے اس قبیلہ کی رائے کے احترام میں علاء کو معزول کر دیا۔

بنو قریظہ کے استیصال کا مسئلہ جب پیش آیا تو گو حضورؐ فاتح کی حیثیت سے ان کے ساتھ ہر قسم کا سلوک کر سکتے تھے۔ مگر حضورؐ نے ان پر اپنا فیصلہ ٹھونسنے کی بجائے ان ہی کی مشورت پر ان کے ساتھ سلوک کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہؐ حاکم مجاز تھے۔ ان کا انتخاب رائے عامہ نے نہیں خدا نے کیا تھا۔ مگر وہ اس کے باوجود کسی جمہوریت کے صدر سے زیادہ حساس اور زیادہ فرض شناس تھے۔ امام بخاری، ترمذی اور ابوداؤد نے حضورؐ کی فرض شناسی کی کئی مثالیں دی ہیں۔ وہ کس طرح پیٹ پر پتھر باندھتے۔ لوگوں کے پیٹ پر ایک پتھر ہوتا اور ان کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوتے۔ وہ اپنے حصہ کا دودھ سب سے بعد میں پیتے۔ اپنا کھانا دوسروں کو کھلا دیتے خود بھوکے رہتے۔ اپنا لباس دوسرے کو پہنا دیتے۔ مدینے کے لوگ اچھے اچھے مکانوں میں رہتے مگر اس صدرِ سلطنت اور مختارِ مطلق کے مکان کی چھتیں بارش سے ٹپکتیں وہ کھجوری چارپائی پر سوتے۔ ان کی بیٹی کے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے تھے۔ ان کی محبوب ازواج چمڑے رنگ رنگ کر گذارا کرتیں۔ اچھے لباس کو ترستیں۔ زیور سے محروم رہتیں محض اس لئے کہ رعایا کے افراد کی احتیاج اور ضرورت ابھی باقی تھی۔

انگریز مؤرخین کے نزدیک رسول اللہؐ آمر تھے۔ اور جمہوریت پسند موجودہ صدر ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ان کے محل میں سنگِ مرمر کی سلیں بچھی ہیں۔ وہ جب باہر نکلتے ہیں تو موٹروں کا کارواں درکار واں حفاظت کے لئے ساتھ چلتا ہے۔ رستے رک جاتے ہیں۔ عوام ان سے ملنا چاہیں تو مہینوں چوکھٹ پر سجدے کریں تو بھی باریابی نصیب نہ ہو اور جو آمرِ مطلق تھے عوام میں اس طرح بیٹھتے کہ لوگ یہ تمیز نہ کر سکتے کہ محمدؐ کون ہیں۔ وہ عوام کے ساتھ چلتے تو اپنی سواری ان سے آگے نہ رکھتے۔ وہ آتے تو لوگوں کو احترام میں اٹھنے کی اجازت نہ دیتے۔ لوگ ان کے پاس بیٹھے رہتے اور وہ ضروری کام ہونے کے باوجود ان کی باتیں سنتے رہتے۔ ان سے نہ کہتے اٹھ جاؤ وقت ہو چکا۔

یہ صحیح ہے۔ کہ اس اندازِ حکومت کا نام جمہوریت نہ رکھا گیا تھا حتیٰ کہ ان کے بعد جس ابوبکرؓ کا انتخاب عوام نے

کیا تھا جس کے ہاتھ پر مدینہ کے ایک ایک آدمی نے بیعت کی تھی وہ بھی خود کو جمہوریت کا صدر نہ سمجھتے بلکہ خود کو رسول اللہ کا نائب کہتے محض ایک منتخب کیا ہوا امیر وہ امیر جو عوام کی رائے کے بغیر کسی بڑے کام کو کرنے کی جرات نہ رکھتا جس نے پہلے ہی دن جب لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ان سے کہا تھا کہ تم نے مجھے اپنا والی بنا تو لیا ہے مگر میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا۔ اگر برا کام کروں تو میری اصلاح کرنا۔ یاد رکھو سچائی ہی نیکی ہے یہی منشائے الٰہی ہے۔ اور جو جھوٹ بولتا ہے وہ خیانت کرتا ہے جسے تم کمزور سمجھو گے۔ میں اسے اس وقت تک قوی سمجھوں گا جب تک اس کا حق اسے دلا نہ دوں اور تم میں جو خود سر ہو گا میں اسے اس وقت تک کمزور سمجھوں گا۔ جب تک اس کی زیادتی اور ظلم کی اصلاح نہ کر لوں۔

میری اطاعت اس صورت میں کرو۔ جب تک میں خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں اور اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت نہ کروں تو تم بھی میری اطاعت نہ کرو۔

یہ تھا وہ خطبہ جو خود کو جمہوریت کا صدر نہ سمجھنے کے باوجود اسلامی حکومت کے دوسرے امیر نے پہلے دن ارشاد فرمایا۔ کیا اس خطبہ کی روح جمہوریت کی روح نہیں ہے۔ کیا جمہوریت کے مقاصد ان مقاصد سے کچھ الگ ہوتے ہیں جن کی طرف ابوبکر صدیقؓ نے اشارہ کیا۔ کیا جمہوریت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ریاست کے کمزور سے کمزور فرد کی حق تلفی نہ ہونے دی جائے۔ تاریخ جانتی ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے جو کہا اس پر پوری طرح عمل کیا۔ وہ خلافت سے پہلے جن یتیم بچیوں اور غریب بیواؤں کے گھروں میں جا کر ان کی بکریوں کا دودھ دوہ کر دیتے۔ خلیفہ اور امیر ہونے کے بعد بھی ان کو نہ بھولے۔ ابوبکر صدیقؓ کے سیرت نگاروں، ابن سعد اور طبری اور ابن اثیر جیسے مورخین نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ ابوبکر صدیقؓ اپنے مرنے کے دن تک یہ فرض انجام دیتے رہے پورے سوا دو سال میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ صدیق اکبرؓ نے ریاست کے کسی مسئلہ میں خود رائی سے کام لیا ہو۔ انہوں نے ہر باب میں جمہور مسلمانوں سے استصواب کیا۔ ان سے مشورہ کیا اور وہی کام کیا جس کی رائے مسلمانوں نے دی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے بعض ایسی باتوں میں جو ان کے نزدیک دین اور منشائے نبوی کی روح تھیں۔ رائے عامہ سے اختلاف بھی کیا۔ مثلاً اسامہ کی سرداری کے سلسلہ میں انہوں نے بعض اکابر صحابہ کی رائے کے خلاف فیصلہ دیا۔ لیکن یہ فیصلہ شوریٰ کے بعد دیا تھا پہلے ان سے استصواب کیا۔ پھر ان پر مصالح نبوی اور روح اسلام کی وضاحت کی ان سے شریعت کی ایک بنیادی بات واضح کی ان سے کہا میں اس سے سرداری کا منصب چھین نہیں سکتا۔ جسے نبیؐ نے جو تم ہم سب سے افضل تھے جو ہمارے راہ نما اور ہادی تھے۔ یہ منصب عطا کیا۔ اور یہ حق بات تھی جماعت کے کسی ایک گروہ کی رائے دین کے اسرار کو بدلنے کی مجاز نہ تھی۔

اسامہ کی سرداری کی طرح مانعین زکوٰۃ سے لڑائی کرنے کے سلسلہ میں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بعض صحابہ سے اختلاف کیا تھا۔ اور جیسے کہ فاروقؓ نے خود تسلیم کیا۔ ابوبکر صدیقؓ کی رائے صحیح تھی اور وہی حق بات تھی۔ جس پر حضرت

صدیقؓ اڑ گئے تھے۔ حضرت فاروقؓ کی طرح دوسرے صحابہ نے بھی حضرت صدیقؓ کی رائے کی صحت جان لی۔ اس کے بعد صدیقؓ نے جو اقدام کیا وہ اکثریت کا اقدام تھا۔ صحابہ کی اکثریت ان کے ساتھ شریک ہوئی اور مانعین زکوٰۃ سے لڑی اور مرتدین سے بھی۔

طبری نے صراحت کی ہے کہ جب عراق و شام پر فوج کشی کی ضرورت پیش آئی تو حضرت صدیقؓ نے تمام صحابہ کو بلا کر پوچھا۔ عراق پر فوج کشی کرنے کے سلسلے میں تم لوگوں کی رائے کیا ہے۔ صحابہ نے اس چیز کو مبارک سمجھا طبری کے الفاظ ہیں کہ حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا۔ تمہارے مقاصد نیک ہیں، اللہ تمہیں فتح و نصرت کی دولت عطا کرے گا۔

اس مسئلہ پر ابوبکر صدیقؓ نے نہ صرف بڑے صحابہ سے رائے لی بلکہ عرب کے تمام قبائل سے استصواب کیا۔ ان سب نے ان کی تائید کی اور اپنے آدمی دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رائے عامہ کا احترام جس طرح کرتے اور خود کو جس طرح عوام کی رائے کا پابند رکھتے۔ اس کا اندازہ اس اجتماع سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے اپنے روزینے کے تعین کے سلسلے میں کیا۔ انہوں نے صحابہ کے مجمع سے کہا۔ ساتھیو! خلافت کے کام کے سبب مجھے اب تجارت کرنے کا وقت نہیں ملتا۔ میرے اور میرے متعلقین کے اخراجات کی کفالت تم لے لو۔ میری تنخواہ مقرر کر دو۔ لوگوں نے ان کی تنخواہ مقرر کر دی۔ دو ہزار درہم سالانہ انہیں دینے طے کئے۔ حضرت ابوبکر کا خاندان وسیع تھا۔ اور دو ہزار درہم سالانہ خاندان کے لئے کافی نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے اگلے سال جب خزانہ عامہ کی حالت کچھ بہتر ہوئی۔ پھر درخواست کی۔

"میرا گذر دو ہزار درہموں میں نہیں ہوتا"

صحابہ نے اس درخواست پر غور کیا اور پانچ سو درہم اور بڑھا دیئے۔

اب انہیں اڑھائی ہزار درہم ملنے لگے۔ گویا ان دنوں جس طرح جمہوریہ امریکہ کی مجلس عام صدر کی تنخواہ کا بل منظور کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اسی طرح یہ حق اس مجلس شوریٰ کو حاصل تھا جو آج سے چودہ سو سال پہلے مدینہ میں ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں قائم تھی۔ اس مجلس شوریٰ نے جس طرح ابوبکرؓ کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح وہ ان کے عزل کا حق بھی رکھتی تھی۔ وہ ان کی رائے کی مخالفت بھی کر سکتی۔ اور اہم معاملات میں ان کو اپنی مرضی پر چلانے کی بھی حقدار تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مجلس شوریٰ یا اسلامی جمہوریت کا قیام اس کے سارے لوازمات اور ظاہری شکل و صورت کے ساتھ ابوبکرؓ کے جانشین حضرت فاروقؓ کے سبب عمل میں آیا۔

انہوں نے گو حکومت کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ مگر اپنے کندھوں کے ضعف پر اکثر رات رات بھر روتے۔ رات رات بھر گلیوں میں گشت کرتے مستحقین کے لئے خوراک اپنی پشت پر لاد کر لے جاتے، مگر پھر بھی ہر لمحہ ڈرتے کہیں کوئی غلط قدم نہ اٹھالیں۔ یہ حد سے زیادہ احتیاط تھی۔ اسی احتیاط کی بنا پر انہوں نے مجلس شوریٰ کی بنا رکھی

جوان دنوں مغربی جمہوریتوں میں رائج ہے اور جس پر مغربی ممالک بہت فخر کرتے ہیں۔ عمر فاروقؓ کی مجلسِ شوریٰ کے تین حصے تھے۔ ایک اعلیٰ ایک خاص اور ایک عام۔ خاص کے ارکان علیؓ، عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زبیر بن عوام معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابی بن کعب تھے۔ اعلیٰ کے ارکان کی تعداد متعین نہ تھی۔ انصار اور مہاجر صحابہ میں سے جتنے اصحاب الرائے اور دانا لوگ مدینہ میں موجود ہوتے، وہ اس مجلس کے مستقل رکن ہوتے۔ وہ منتخب نہ کئے جاتے ان کا انتخاب پہلے سے ہو چکا تھا۔ بدر، احد، خندق اور دوسری لڑائیوں میں انہوں نے جو خدمات انجام دی تھیں اور جو تہور اور حوصلہ دکھایا تھا وہ کچھ کم نہ تھا اپنی اسی صلاحیت کی بنا پر وہ اس مجلسِ شوریٰ کے دائمی رکن تھے۔ ان میں سے کئی بڑے لوگ محاذِ جنگ پر تھے۔ بڑی بڑی ذمہ داریاں سنبھالے تھے جو موجود تھے۔ وہ اس مجلس میں فاروقؓ کے بلاوے پر جمع ہو جاتے۔

فاروقؓ کا دستور تھا کہ وہ ہر بڑے مسئلے، ہر قومی اور ملی ضرورت پر منادی سے کہتے مسلمانوں کو نماز کی دعوت دے۔ یہ دعوت عام ہوتی۔ بڑے صحابہ اور چھوٹے صحابہ اس منادی پر مسجد میں آن جمع ہوتے۔ عمرؓ دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر ممبر پر چڑھ کر سارے حاضرین کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کرتے۔

اکثر زیادہ اہم مسائل پر کئی کئی دن بحث ہوتی۔ ہر کوئی اپنی رائے ظاہر کرتا کسی پر کوئی پابندی نہ تھی موجودہ دور کی طرح ووٹ شمار نہ کئے جاتے۔ صدر جمہوریہ کے چہرے کی طرف دیکھا نہ جاتا بلکہ جو بات مناسب اور جائز ہوتی یا جس پر رائے عامہ مجتمع ہو جاتی وہی آخری بات قرار پاتی۔

عراق اور شام کی فتوحات کے بعد وہاں کی زرعی زمین کو فوج کی ملکیت قرار دینے پر جو مجلس مشاورت منعقد ہوئی اس کی تفصیل کئی مؤرخین نے دی ہے۔ کتاب الخراج میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ مجلس شوریٰ سب سے لمبی تھی۔ اسی طرح وہ مجلسِ شوریٰ جو ایران کے یادگار عالم شاہی قالین کی تقسیم کے متعلق ہوئی اس کا ذکر بھی اکثر مورخین نے کیا ہے۔ مجلس شوریٰ نے اس بارے میں اپنی رائے ظاہر کی۔ اور آخر کار حضرت علیؓ کی تجویز سے اتفاق کر کے اس پر عمل کیا گیا۔

اس کے سوا ہر جمعہ کی نماز کے وقت جب عمر فاروقؓ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوتے تو دارالخلافہ کا ہر فرد ہر کھلے اجلاس میں اعتراض کرنے کا حق رکھتا تھا۔ نہ صرف جمعہ کی نماز میں بلکہ ہر لمحہ جب بھی کسی کو شکایت پہنچتی وہ عمرؓ کا دامن تھام لیتا۔

عمر فاروقؓ کی طرح ان کے گورنر عوام کے محاسبہ اور رائے عامہ کے پابند تھے۔ رائے عامہ جس گورنر کی معزولی چاہتی، عمرؓ اسے معزول کر دیتے۔ اگر شکایت سخت ہوتی تو باقاعدہ مقدمہ چلتا اور مجرم سزا پاتا۔

شاہ ولی اللہ نے ایسی کئی مثالیں لکھی ہیں۔ جب گورنروں کو سزائیں دی گئیں اور حج کے موقعہ پر لاکھوں کے

مجمع میں ان کے اعمال و افعال پر تنقید کی گئی۔ حج کے دنوں میں عمر فاروق رضؓ کی طرف سے یہ عام منادی تھی کہ جس کسی عامل کے خلاف رعایا کے کسی فرد کو شکایت ہو علی الاعلان اس کا ذکر کرے۔

کوفہ اور بصرہ کے گورنر کئی بار ان دونوں مقامات کے باشندوں کے کہنے پر بدلے گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص بڑے صحابہ میں سے تھے۔ کوفہ والوں نے جب ان کی بھی شکایت کی تو انہیں بھی برطرف کر دیا گیا۔ برطرفی کے علاوہ بڑے صوبوں کے لوگوں سے گورنروں کے تقرر کے وقت عام رائے طلب کی جاتی۔ بصرہ، شام اور کوفہ بڑے صوبے تھے۔ ان کے لوگوں نے جن جن لوگوں کے نام پیش کیے انہیں گورنری کی مسند پر بٹھایا گیا۔

اس کے علاوہ ہر صوبے کے ممتاز لوگ سال میں کئی کئی بار مدینہ آتے اور فاروق رضؓ کے گورنروں پر تنقید کرتے۔ یہ جمہوریت کی کتنی ترقی یافتہ اور کتنی عمدہ اور اعلیٰ صورت ہے جس کو فاروق رضؓ نے رائج کیا تھا۔

جمہوری نظام کی غرض اس کے سوا کوئی دوسری نہیں کہ عوام کو حکومت کے کاروبار میں صرف حصہ ملے بلکہ ان کی آواز زیادہ سے زیادہ موثر ہو۔ فاروق رضؓ کے دور میں ان کی آواز اس حد تک موثر تھی کہ وہ جس گورنر کو چاہتے بدلوا دیتے۔ جس کے خلاف چاہتے شکایت کرتے حتیٰ کہ فاروق رضؓ کے ہر فعل پر تنقید کر سکتے۔ عمر فاروقؓ کا خطبہ جو انہوں نے ایک بار حج کے موقع پر دیا اور جسے امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں نقل کیا ہے۔ ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق کرتا ہے:۔

انہوں نے لاکھوں اشخاص میں کھڑے ہو کر کہا۔ مجھے تمہارے مال پر اتنا حق ہے جتنا کہ یتیم کے مال پر اس کے نگران کو ہوتا ہے۔ اگر میری حالت بہتر ہوئی تو میں اس میں سے کچھ نہ لوں گا۔ اگر محتاج ہوا تو اتنا لوں گا جو کھانے کو کفایت کرے تم لوگوں کے مجھ پر بہت سے حق ہیں۔ تم مجھ سے ان کے سبب جواب طلب کر سکتے ہو۔ تم مجھ سے کہہ سکتے ہو میں ملک کے خراج اور مال غنیمت کو ضرورت کے بغیر جمع نہ کروں۔ اسے بے جا صرف نہ کروں۔ تمہارے روزینے بڑھاؤں۔ تمہاری سرحدوں کو محفوظ کروں اور تمہیں خطروں میں نہ ڈالوں۔

یہ محض کہنے کی بات نہ تھی۔ عام صحابہ مجمع عام میں کھڑے ہو کر ان سے پوچھتے تمہارا کرتا ہمارے کرتے سے لمبا کیوں ہے۔

امام ابو یوسف لکھتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے فاروق رضؓ سے کہا۔ عمرؓ خدا سے ڈرو۔ لوگوں نے بے ادب کی بنا پر اس شخص کو اس انداز گفتگو پر تنبیہ کی مگر فاروق رضؓ نے فرمایا۔ انہیں کہنے دو۔ یہ ان کا حق ہے۔ اگر میں ان کا یہ حق نہ مانوں تو کسی کام کا نہیں اگر یہ مجھے نہ ڈانٹیں تو یہ اپنا فرض پورا نہ کریں گے۔

جمہوریت کی اس سے زیادہ واضح، اس سے زیادہ مکمل اور اونچی شکل اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ایک معمولی راہ گیر کو امیر یا صدر مملکت سے ہر قسم کی بات کہنے اور استصواب کرنے کا حق حاصل ہو۔ گو یہ ایک بہت ہی مکروہ مثال ہے لیکن تاریخ کے سامنے آئی۔ ابو لولو ایک لوہار مزدور تھا اس نے بازار میں روک کر عمرؓ سے شکایت کی تھی کہ وہ اس کے

ملک کو زیادہ مزدوری لینے سے نہیں روکتے۔ جمہوریت کے اس دور میں یہ حق بڑی بڑی شخصیتوں کو حاصل نہیں ہوتا نوآبادیاں مظالم تلے پستی چلی جاتی ہیں۔ مگر ان کی آواز کوئی صدرِ مملکت نہیں سنتا۔ حتیٰ کہ شہری مزدوروں کی آواز اس دور کی جمہوریت کے صدروں کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔ مزدور یونینیں بناتے ہیں۔ ہڑتالیں کرتے ہیں۔ یہ ہڑتالیں مہینوں چلتی ہیں۔ مگر صدرِ جمہوریہ اپنے کانوں میں روئی ٹھونس کر بیٹھے رہتے ہیں۔ ملکوں پر فوجیں چڑھا دی جاتی ہیں۔ مگر ان سے پوچھا نہیں جاتا۔ اور فاروقؓ اپنی ملت کے افراد تو الگ رہے ذمیوں پر محصول عاید کرتے وقت ان سے کئی کئی بار رائے پوچھتے۔ ان سے کہتے اپنی شکایات اور حالات پیش کرو۔

جمہوریت کی یہ شکل جسے عمر فاروقؓ نے روشناس کرایا۔ تاریخ ثقافتِ عالم میں اپنی نظیر آپ ہے۔

علما مغرب نے گو خلافتِ راشدہ کو شخصی حکومت کی ایک شکل قرار دیا ہے۔ مگر ان کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے کہ عمرؓ نے جس انداز میں حکومت کی، جو مسلک اختیار کیا۔ جس طرح بات بات پر عوام سے رائے لی اور اس رائے پر عمل کیا وہ اگر ان کے خیال میں جمہوریت نہ تھی تو کیا تھی؟

ہمارا لو دعویٰ ہے کہ ملتِ اسلام نے جمہوریت کی جو شکل دینا کو دی وہ ثقافتِ اسلامیہ ہی میں نہیں ثقافتِ عالم میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ اتنی مکمل اور جامع ہے۔ جتنی کوئی دوسری جمہوریت نہیں ہے۔

جمہوریت کی اس سے بہتر کیا صورت ہو سکتی ہے کہ عمر فاروقؓ نے اپنے بعد ملت کے امیر کے انتخاب کیلئے جو کونسل تجویز کی اس میں اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو ان کی دانائی ان کی معاملہ فہمی اور ذہانت کی بنا پر ایک رکن منتخب کیا۔ مگر ان پر پابندی لگا دی کہ وہ خود کو امیدوار نہ بنائیں۔ صرف دوسروں کے انتخاب میں حصہ لیں۔

کتاب الخراج کی روایت ہے۔ حضورؐ نے اپنے والیِ یمن کو یمن روانہ کرتے وقت تلقین کی۔

"خبردار مظلوم کی پکار اور خدا کے مابین کوئی حجاب نہیں ہے"

اسلامی حکومت کے نظم و نسق کی بنا اس بات پر رکھی گئی کہ کہیں کسی شخص پر زیادتی اور ظلم نہ ہونے پائے اسلامی حکومت اس دنیا کے تخت پر خدا کی نائب تھی۔ وہ یہ بات کبھی گوارا نہ کر سکتی تھی کہ اللہ کے بندوں کے حقوق غصب کئے جائیں۔

اسلام سے پہلے دنیا میں جتنی حکومتیں بنیں۔ ان میں چند فرمانرواؤں کو چھوڑ کر اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو کمزوروں اور غریبوں کو دباتے، ان کا مال چھینتے ان کی آبرو لوٹتے اور ان پر اس طرح حکومت کرتے جیسے وہ آدمی نہ تھے۔

اسلام اس قسم کے نظامِ حکومت کے سخت خلاف تھا۔ جس میں غریب کی آواز نہ سنی جائے دنیا بھر کی حکومتوں اور اسلامی حکومت میں یہی بات مابہ الامتیاز ہے۔ رسول اللہؐ جب تک اس دنیا میں رہے۔ اپنے ساتھیوں کو انسانی حقوق کی پاسداری کی تعلیم دیتے رہے۔ رسول اللہؐ کے بعد جب صدیقؓ نے ان کی جگہ سنبھالی تو انہوں نے بھی اسی بات

کو ملحوظ رکھا۔ حضرت فاروقؓ نے تو یہ اصول بنالیا تھا۔ کہ جب بھی کسی عامل کا تقرر کرتے، اس کے اموال و جائداد کی فہرست مرتب کر لیتے۔ یہ فہرست دفتر میں محفوظ رکھ لیتے تاکہ اس عامل کی کارگزاری اور آمدنی کا پورا حساب کر سکیں۔ حضرت فاروقؓ جب بھی کسی عامل کو باہر بھیجتے۔ اس سے انسانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا عہد لیتے۔ ایک موقعہ پر انہوں نے اپنے عمال کو صاف اور واضح لفظوں میں تنبیہ کی:۔

"خیال رہے میں نے آپ لوگوں کو امیر اور سخت گیر بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ امام بنائے گئے ہیں۔ آپ کا مقام یہ ہے کہ لوگ آپ کی پیروی کریں۔ آپ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کریں۔ انہیں سزائیں نہ دیں۔ ماریں نہیں، رسوا نہ کریں۔

ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ کریں۔ تاکہ زبردست کمزور کو دبا نہ لے۔ اپنے آپ کو ان پر مقدم نہ رکھیں اگر آپ ایسا کریں گے تو گویا ان پر ظلم کریں گے۔"

نہ صرف عمال کو ان کے فرضِ منصبی کی تلقین کی بلکہ حج کے موقعہ پر جب لاکھوں مسلمان جمع تھے مسلمانوں سے کہا۔

"ساتھیو! جو لوگ عمال بنا کر تمہارے ہاں بھیجے جاتے ہیں۔ وہ اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ تمہیں طمانچے ماریں۔ تمہارا مال چھینیں۔ میں انہیں اس لئے تمہارے ہاں بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں رسول اللہؐ کا طریق سکھائیں۔ اگر میرے کسی عامل نے اس کی خلاف ورزی کی ہو تو مجھ سے کہو۔ میں اس سے بدلہ لوں"

عمرو بن العاص گورنر مصر اس مجمع میں موجود تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا:۔

"اگر کوئی عامل تادیب کے لئے رعایا کے کسی فرد کو سزا دے تو کیا پھر بھی آپ انتقام لیں گے؟"

حضرت فاروقؓ نے مجمع عام میں قسم کھائی اور کہا:۔

"ہاں میں ایسا کروں گا۔ میں نے رسول اللہؐ کو ایسا کرتے دیکھا۔ خبردار! مسلمانوں کو مارنا نہیں، ورنہ وہ رسوا ہو جائیں گے ان کے حقوق غصب نہ کرو۔ ورنہ وہ نافرمانی پر مجبور ہوں گے۔"

یہ محض لفظی تلقین نہ تھی۔ وہ اس پر عمل بھی کرتے۔ انہوں نے عمال کے احتساب کے لئے ایک محکمہ قائم کر رکھا تھا۔ وہ عادل اور معتبر اشخاص کو عمال کے محاسبہ کے لئے تمام صوبوں میں بھیجتے رہتے۔ یہ محاسب رعایا سے ملتے اور عمال کے طریق کار پر ان سے رائیں لیتے۔ اگر حضرت فاروقؓ کو کبھی معلوم ہوتا کہ عمال نے کسی کے ساتھ زیادتی کی تو وہ انہیں کڑی سزائیں دیتے

عیاض بن غنم گورنر صوبہ کا واقعہ تو تاریخ عالم میں متفرد ہے۔

عیاض کے خلاف شکایت تھی کہ وہ دربان رکھتے ہیں۔ اور ایک باریک لباس پہنتے ہیں۔ ان کا یہ طریق کار حضرت فاروقؓ کی واضح ہدایات کے خلاف تھا۔ فاروقؓ کی ہدایات تھیں کہ نہ کوئی گورنر باریک لباس پہنے اور نہ

دروازے پر دربان رکھے تاکہ عوام اور اس میں کوئی پردہ حائل نہ ہو۔ عیاض کے خلاف یہ شکایت فاروق کے پاس آئی تو انہوں نے محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات کا حکم دیا۔ اور فرمایا اگر شکایت صحیح ہو تو عیاض جس حال میں ہوں انہیں میرے پاس لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ عیاض سے ملنے کے لئے گئے۔ عیاض کے دروازے پر دربان بھی تھا اور ان کے کپڑے بھی باریک تھے۔ انہوں نے عیاض کو فاروقؓ کا حکم سنایا اور ساتھ لے کر مدینہ آئے۔

بظاہر یہ قصور کوئی بڑا قصور نظر نہیں آتا۔ عیاض معمولی آدمی نہ تھے۔ صحابی رسولؐ تھے۔ اور پھر ایک صوبہ کے گورنر تھے۔ مگر عمرؓ نے انہیں معاف نہیں کیا۔ تنبیہہ کافی نہیں سمجھی۔ بکریوں کا گلہ منگوایا۔ کمبلی کا لباس پہننے کو دیا۔ اور حکم دیا۔ اس گلے کو چراؤ بھی اور پانی بھی پلاؤ۔ کئی دن تک ان سے یہ مشکل کام لیا۔

یہ معمولی سزا نہ تھی۔ پورے عالم اسلام میں یہ خبر پھیل گئی۔ کہ عیاضؓ کو فاروقؓ نے کیا سزا دی ہے۔

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ سعد بن ابی وقاصؓ کا ہے۔ وہ کوفہ کے گورنر تھے، انہوں نے اپنے مکان کے آگے ایک ڈیوڑھی بنالی تھی یعنی ایک قسم کا عوام میں اور خود میں حائل کر لیا تھا۔ اب عوام بے دھڑک ان کے پاس نہ آسکتے تھے۔ ان کی تادیب کے لئے بھی محمد بن مسلمہؓ ہی بھیجے گئے۔ انہیں اجازت دی گئی تھی کہ گر ڈیوڑھی ہو تو اسے آگ لگادیں۔ انہوں نے ڈیوڑھی دیکھی تو اسے آگ لگا دی۔ اور جب تک ڈیوڑھی جل نہ گئی۔ سعد بن ابی وقاص سے کوئی بات نہ کی۔ لوگوں نے یہ ڈیوڑھی جلتی دیکھی تھی اور جان لیا تھا یہ کیوں جلائی گئی ہے۔

موجودہ دور میں گو یہ واقعہ کچھ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس وقت یہ ممکن تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسلامی حکومت نے ہر دلعزیزی کی سند پائی اور اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوا۔

افکار ابن خلدون

مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی

قیمت تین روپے آٹھ آنے

فقہ عمرؓ

مصنفہ مولانا ابو یحییٰ امام خان

قیمت چار روپے

منیجر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور